



بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمۃ اللہ علیہ

بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین تھے۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں اپنی واعظانہ صلاحیتوں، بلند آہنگ خطابت اور حکیمانہ اسلوب تبلیغ سے لوگوں کو توحید و سنت کا عامل بنایا اور انہیں 'صراطِ مستقیم' دکھا کر نیک نام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد عبداللہ صاحب کو علم و عمل کا حظ وافر عطا کیا اور بے پناہ اوصاف و کمالات سے نوازا تھا۔ آپ اہل اسلام بالخصوص جماعت اہلحدیث کے لیے عظیم سرمایہ تھے۔ گذشتہ صدی کی جماعتی تاریخ انہیں نہ صرف یہ کہ ازبر تھی بلکہ بہت سے واقعات کے آپ عینی شاہد بھی تھے۔ جب زبان کو حرکت دیتے تو اکابر کے واقعات بیان کرتے چلے جاتے۔

شیخ الاسلام فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان سے متعلق نادر معلومات اور واقعات بھی فراہم کرتے۔ بلاشبہ ہمارے یہ بزرگ معلومات کا بحر ذخار اور ہماری جماعتی تاریخ کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ بڑے ہی شگفتہ مزاج، لطیف گو، مرنجامز اور باغ و بہار طبیعت کے انسان تھے۔ عبوست و عبوست سے کوسوں دور رہتے، ان کی بذلہ سبھی اور خوش طبعی کے قصے زبان زد عام ہیں۔

آپ نہایت بااخلاق، بلند کردار، نیک طینت، شریف النفس، خوش گفتار، مہمان نواز اور منکسر مزاج عالم دین تھے۔ وہ میرے بہت ہی پیارے اور محترم بزرگ دوست تھے۔ ان سے عقیدت و محبت کا ناطہ ربع صدی تک قائم رہا۔ میں نے پہلی بار انہیں ۱۹۸۸ء کے ماہ ستمبر کے وسط میں دیکھا تھا۔ وہ مولانا بشیر احمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے سلسلے میں منعقدہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ یہ تعزیتی جلسہ سمن آباد فیصل آباد کے بلال پارک (کوئٹہ والی گراؤنڈ) کے مشرقی کونے پر مولانا بشیر صدیقی کے گھر کے قریب منعقد ہوا تھا۔ میں سٹیج کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحب مائیک پر آئے۔ میانہ قد، متناسب جسم، سفید داڑھی، نظر کے چشمے کے پیچھے ذہانت کی غماز چمکتی آنکھیں، سر پر کٹے کے اوپر سفید طرے دار پگڑی، سفید شلوار اور قمیص، اوپر سے واسکٹ زیب تن، پاؤں میں کھٹس۔ انہوں نے اپنی کڑک دار آواز میں السلام علیکم کہا۔ کچھ دیر



بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ



بعد ان کا وعظ شروع ہوا۔ خطبہ مسنونہ پڑھ کر انہوں نے علم اور عالم دین کی عظمت بیان کرتے ہوئے مولانا بشیر صدیقی مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کی دینی خدمات کو سراہا۔ پھر گویا ہوئے کہ لوگو! اپنے بچوں کو دین پڑھاؤ اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اثنائے گفتگو انہوں نے اپنی دینی تعلیم کے متعلق بتایا کہ وہ نویں کلاس میں پڑھتے تھے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تقاریر سے متاثر ہو کر دینی تعلیم کی طرف آئے اور آج اللہ نے یہ مقام دیا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب کا یہ وعظ کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا، لوگ آزد متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی دوران تقریر اپنی شیرینی گفتار سے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کا وعظ سنا اور ان سے متاثر ہوا۔

وہ فیصل آباد تشریف لاتے تو ٹیلی فون سے اپنی آمد کی اطلاع دیتے۔ اور مکتبہ رحمانیہ پر تشریف لا کر ملاقات کا شرف بھی بخشتے۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں وہ فیصل آباد تشریف لائے۔ کلیہ دارالقرآن والحدیث جناح کالونی میں تقریب بخاری کے موقع پر رات کو ان کی تقریر تھی۔ میں بھی سامعین میں تھا۔ مولانا دوران تقریر تاریخی واقعات سن رہے تھے کہ کہنے لگے: ”رمضان سلفی یہاں ہے؟“ میں نے ہاتھ بلند کر کے اپنی موجودگی کو ظاہر کیا، مولانا فرمانے لگے: ”سلفی سٹیج پر آکر بیٹھو، یہ سلفیوں کا سٹیج ہے۔“

۱۹۵۰ء کی دہائی میں ایک بار جماعت غرباء اہل حدیث کے امام مولانا حافظ عبدالستار محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ارادت مندوں سے ملنے بورے والا تشریف لائے۔ مولانا عبداللہ صاحب کو ان کی آمد کا معلوم ہوا تو وہ بنفس نفیس امام صاحب کی خدمت میں پہنچے اور اصرار کر کے ان کو اپنی مسجد میں لے آئے اور کئی دن تک انہیں نہایت عزت اور احترام سے اپنے ہاں رکھا۔ مرحوم کے صاحبزادے محترم ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر (المعروف ڈاکٹر بہاؤ الدین رحمہ اللہ) نے راقم کو بتایا کہ ان دنوں مجھے امام عبدالستار رحمہ اللہ کی خدمت کا موقع ملا تھا۔ بلاشبہ وہ اسلاف کی یاد گار تھے۔ میرے دوستانہ مراسم ان سے بھی تھے، ان کے بیٹے ڈاکٹر بہاؤ الدین سے بھی ہیں اور ان کے پوتے سہیل اظہر سے بھی۔ اب آئیے ان کے حالات و واقعات کی طرف۔ یہ وہ معلومات ہیں جو ہمیں یا تو مولانا عبداللہ صاحب سے بالمشافہ ملاقاتوں سے حاصل ہوئی ہیں اور کچھ باتیں ہم نے اپنے مرشد عالی قدر مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کی بزم ارجمندوں سے مستعار لی ہیں:

ابتدائی حالات

مولانا عبداللہ صاحب ۱۹۱۶ء میں ضلع گورداس پور (بھارت) کے ایک مقام ’وڑانج‘ میں پیدا

ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حکیم امام الدین تھا۔ جو علمائے کرام اور واعظین عظام کی عزت و توقیر میں اس نواح میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ نیک اور صالح تھے۔ ان کا یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو انہوں نے اسے سرکاری سکول میں داخل کرادیا۔ جہاں بچے نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ بعد ازاں خالصہ ہائی اسکول بھاگووال میں داخل کرادیا گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب نوین جماعت کے طالب علم تھے کہ اُن کے علاقے میں ایک بہت بڑا تبلیغی جلسہ ہوا۔ وہ اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریریں سنیں۔ انہوں نے اس قدر تاثر لیا کہ سکول کی تعلیم چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف راغب ہو گئے۔ انہیں بنالہ میں قائم مدرسہ دارالسلام میں داخل کرادیا گیا۔

یہ مدرسہ وہاں کی انجمن خدام المسلمین کے زیر انتظام تھا اور اس میں حضرت مولانا عطاء اللہ شہید رحمہ اللہ جو اس علاقے کے جید عالم دین تھے، فریضہ تدریس ادا کرتے تھے۔ ان نیک اور متقی عالم دین کو اگست ۱۹۳۷ء میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔ یہ بزرگ عالم دین تفسیر، حدیث، منطق، صرف و نحو اور دیگر اسلامی علوم میں کامل درک رکھتے تھے۔ ان سے کئی طلباء نے اکتسابِ علم کیا اور پھر وہ نامور ہونے کے ساتھ نیک نام بھی ہوئے۔ مولانا عطاء اللہ شہید کے شاگردوں میں مولانا عبدالعزیز سعیدی، مولانا اسماعیل بیچ، مولانا عبدالعظیم انصاری، حافظ عبدالحق صدیقی اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف جیسے علما کے نام ملتے ہیں۔

ہمارے مدوح حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بھی اسی یگانہ روزگار عالم دین کے نہایت لائق اور چہیتے شاگردِ رشید تھے۔ انہوں نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم مولانا عطاء اللہ شہید سے حاصل کی۔ ذہین طبع طالب علم تھے، ذہن رساپایا تھا جو پڑھتے ازبر ہو جاتا۔ نیک طبیعت استاد کو اپنے اس شاگرد پر ناز تھا اور وہ اسے اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شہید رحمہ اللہ کے صاحبزادے حافظ محمد سلیمان میرے نہایت پیارے بزرگ دوست تھے۔ وہ میرے قریبی محلہ میں ہی اقامت پذیر تھے، ان سے اکثر ملاقات رہتی، وہ تصنیف و تالیف کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ عرصہ دراز تک محکمہ تعلیم میں آفیسر رہے۔ انہوں نے ۲۹ اگست ۲۰۰۸ء کو فیصل آباد میں وفات پائی۔ انہوں نے تین کتابیں: درود و سلام، توحید پر ایمان، شرک سے بیزاری، اور سیرت النبی ﷺ پر ایک کتاب تصنیف کی۔ ان کا بیان ہے کہ ”مولانا عبداللہ صاحب میرے والد مولانا عطاء اللہ صاحب کے لاڈلے شاگرد تھے اور انہیں ہمارے گھر کا فرد ہی سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ میں دوسرے طلباء سے ان کو ذہانت و فطانت اور علمی استعداد کے باعث امتیازی حیثیت حاصل تھی اور



بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ



یہ اپنی ہنس مکھ طبیعت سے رونق لگائے رکھتے تھے۔“

مولانا محمد عبداللہ آخر میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور ان کے دورہ تفسیر میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد وہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں جت گئے اور جو علم انہوں نے حاصل کیا تھا اسے لوگوں تک پہنچانا اپنے اوپر فرض کر لیا۔

۱۹۳۷ء میں انہوں نے ولن مل دھاریوال سے اپنی خطابت کا آغاز کیا۔ اور ۱۹۴۷ء تک دس سال آپ ولن مل دھاریوال کی مسجد کے امام و خطیب رہے۔ ۱۴/ اگست ۲۰۰۲ء کو میں بورے والا مولانا عبداللہ صاحب کی خدمت میں ان کے صاحبزادے حافظ لقمان سلفی مرحوم کی تعزیت کے لئے حاضر ہوا۔ نمازِ ظہر پڑھ کر ان کی خدمت میں سلام عرض کیا، خیر و عافیت کے تبادلے کے بعد وہ پرانے واقعات سناتے لگے۔ ان کی بہت بڑی خوبی تھی کہ انہیں سینکڑوں واقعات من و عن یاد تھے اور ۶۰، ۷۰ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ واقعات ان کے ذہن پر نقش تھے۔

ہجرت اور توحید کی اشاعت

مولانا محمد عبداللہ صاحب ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ولن مل دھاریوال کی مسجد میں فریضہ خطابت ادا کرتے رہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب کے سکھوں نے مسلمانوں کو قتل و غارت گاناشاہ بنایا تو وہ اپنے خاندان کے ہمراہ راستہ ڈیرہ باباناک پاکستان میں داخل ہوئے۔ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے رائے ونڈ آئے۔ یہاں ان کے برادرِ نسبتی قیام پذیر تھے۔ مولانا محمد اسحق بھٹی صاحب بزمِ ارجمند ان میں لکھتے ہیں:

”مولانا کا قافلہ پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ایک بہت بڑی حویلی ان کے برادرِ نسبتی کے قبضے میں تھی۔ مولانا عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے اسی حویلی میں پڑاؤ کیا۔ اس وقت عید الاضحیٰ میں چار دن باقی تھے۔ مولانا نے چالیس روپے میں قربانی کے لئے گائے خریدی۔ رائے ونڈ میں اس وقت ایک ہی مسجد تھی، جس کی رجسٹری حاجی محمد عاشق کے نام تھی اور وہ اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عید کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو ایک کونے میں جاکر بیٹھ گئے۔ حاجی محمد عاشق کو کسی نے کہہ دیا کہ یہ عالم دین ہیں۔ حاجی صاحب ان کے پاس آئے اور عید پڑھانے اور خطبہ ارشاد فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے نماز عید پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبے کا موضوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہجرت اور ان کا جذبہ قربانی تھا۔ سامعین میں اکثریت مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگوں کی تھی اور ترک وطن کے زخم ابھی تازہ تھے۔

تقریر کے الفاظ و انداز کی اثر پذیری سے ہر آنکھ پر غم تھی اور ہر دل تڑپ رہا تھا۔ نماز عید کے بعد مولانا اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور گائے کی قربانی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حاجی محمد عاشق ریڑھی لئے کھڑے ہیں، جس پر ایک بوری آٹے کی اور ایک بوری چاولوں کی ہے۔ کہا: یہ حقیر سی خدمت قبول فرمائیے۔ ساتھ ہی پانچ سو روپے نقد عنایت کئے۔ یہ بہت بڑی مدد تھی جو اس وقت انہوں نے فرمائی اور لئے پئے قافلے کو سہارا دیا۔“

مولانا محمد عبداللہ صاحب کچھ عرصہ رائے ونڈ میں قیام پذیر رہے اور کچھ عرصہ جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث قصور میں خطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ جماعت اہل حدیث بورے والا کے اصرار پر بورے والا تشریف لے آئے۔ انہوں نے بورے والا کی جامع مسجد اہل حدیث میں جو پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا، اس میں سورۃ العصر کی تفسیر بیان کی جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔ ان دنوں یہ مسجد بہت چھوٹی تھی، مولانا محمد عبداللہ صاحب کی کوششوں سے اب بہت وسیع ہو گئی ہے۔ اور اسے چند سال پہلے از سر نو خوب صورت تعمیر کیا گیا ہے۔ نیز بورے والا اور اس کے گرد و نواح میں اہل حدیث کی ایک درجن سے زائد مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب بلند آہنگ خطیب تھے۔ ان کے وعظ کی اثر آفرینی سے ہزاروں لوگ راہ راست پر آچکے ہیں۔ وہ عام فہم انداز میں بڑی پیاری گفتگو کرتے اور علم و حکمت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے۔ عالم پیری میں بھی ان کی خطابت کی بڑی دھوم تھی۔ لوگ ان کا وعظ سننے دور سے دیوانہ وار چلے آتے۔

قرآنی خدمات

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد عبداللہ صاحب کو علم و عمل کے ساتھ تفقہ فی الدین اور قرآن فہمی سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ نے نماز فجر کے بعد چار بار درس قرآن میں قرآن مجید کی مکمل تفسیر بیان کی۔ آپ صبح کے درس قرآن کے لئے باقاعدہ تیاری کر کے آتے تھے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ

بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ



”بندہ نومبر ۱۹۴۹ء کو رائے ونڈ سے بورے والا آگیا۔ زاد سفر ایک تفسیر ابن کبیر مصری کی جلد اول تھی۔ ان دنوں بورے والا میں صرف جھگی نما ایک چھوٹی کچی مسجد تھی۔ بجلی وغیرہ بھی یہاں نہیں تھی، دہلی سروس کے تیل کے دیے کی روشنی میں بعد نماز فجر قرآن پاک کا درس شروع کیا گیا۔ بلاناغہ درس کے باوجود ۱۰ سال میں درس قرآن اللہ کی توفیق سے ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے شکریہ کے طور پر حاضرین کی دعوت کی گئی۔ اور دودھ، چائے اور مٹھائی سے تواضع کی گئی۔ الحمد للہ“

دوسری بار ۱۹۵۹ء میں درس قرآن کا آغاز کیا گیا۔ اب کتابوں کی فراہمی بھی کچھ آسان ہو گئی تھی۔ مالی طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی برکت سے خوش حالی عطا کر دی۔ تفسیر خازن، تفسیر کبیر، تفسیر ابن جریر، فتح القدیر، جلالین، جامع البیان اور دیگر مکاتب فکر کے علما کے تراجم بھی مہیا ہو گئے تھے۔ اب تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر و تراجم کی معاونت سے بارہ سال میں ۱۹۷۱ء میں دوسری بار درس قرآن میں قرآن پاک کو مکمل کیا۔

تیسری بار ۱۹۷۲ء میں ابتدا سے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا گیا جو تبلیغی پروگراموں میں مصروفیت کے باوجود ۱۹۸۵ء میں تکمیل کو پہنچا۔

چوتھی بار ۱۹۸۵ء میں ترتیب سے درس قرآن کا آغاز ہوا۔ اب مولانا محمد عبداللہ صاحب کی بینائی بھی کم زور ہو چکی تھی۔ انہوں نے آنکھوں کا آپریشن کروایا اور نظر کا چشمہ لگا کر درس قرآن ارشاد فرماتے رہے اور ۱۹۹۷ء میں درس قرآن میں مکمل قرآن مجید ختم کیا۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب عالم پیری میں نظر کی کمزوری، بڑھاپے، نقاہت اور دیگر کچھ عوارض کے باوجود عزم و جواں رکھتے تھے۔ قرآن کریم سے محبت ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ انہوں نے پانچویں بار ترتیب سے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو آخر عمر تک جاری رہا۔ ان کا یہ درس قرآن اب نماز فجر کے بعد کی بجائے نماز عصر کے بعد ہوتا تھا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی خدمت قرآن ہے جو مولانا عبداللہ صاحب نے انجام دی ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے کے سات سال اور ایک سال رائے ونڈ ضلع قصور کے درس قرآن کو بھی شامل کیا جائے تو یہ مدت ۷۲ سال بنتی ہے اور خادم قرآن کی حیثیت سے یہ عظیم خدمت قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!

مولانا محمد عبداللہ صاحب کو تحریر و نگارش سے بھی خاص شغف تھا۔ انہوں نے کوئی کتاب تو مرتب نہیں کی البتہ ان کے علمائے اہل حدیث کے بارے مضامین جماعتی رسائل میں اشاعت پذیر ہو کر ہمارے مطالعے میں آتے۔ وہ خوب صورتی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے اور

پیارے اسلوب میں اکابرین جماعت کا تذکرہ کرتے تھے۔ چند سال پہلے انہوں نے شیخ الاسلام، فاتح قادیان، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے بارے ہفت روزہ اہل حدیث لاہور میں متعدد مضامین لکھے تھے اور ان میں حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کے بعض گوشوں کو اجاگر کیا تھا۔ ضرورت ہے کہ مولانا عبد اللہ صاحب کے تمام مضامین کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے۔ اس سے جماعتی تاریخ کے بہت سے واقعات محفوظ ہو جائیں گے۔

تحریکی خدمات

مولانا محمد عبداللہ صاحب نے سیاست میں تو زیادہ حصہ نہیں لیا، البتہ مذہبی تحریکوں میں سرگرم عمل رہے۔ فتنہ مرزائیت کے خلاف انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے بھی خوب کام کیا اور قیام پاکستان کے بعد بھی وہ قادیانیوں کے خلاف پیش پیش رہے۔ اس راہ میں انہیں مصائب و آلام سے بھی دوچار ہونا پڑا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ وہ ہر موقع پر ثبات قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انہوں نے دھڑلے سے قادیانی نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے ڈھول کا پول کھولا۔ مولانا عبد اللہ صاحب نے ۱۹۳۵ء میں جب وہ مولانا عطاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زیر تعلیم تھے تو قادیانیت کے خلاف پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تھا۔ پون صدی کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی مولانا محمد عبداللہ سال میں ایک بار اس خطبے کی تجدید کرتے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب پہلی بار ۱۹۳۹ء میں جیل گئے تھے۔ انہوں نے بٹالہ سے چھ میل دور دیال گڑھ کے قریبی گاؤں ’ہرسیاں‘ میں مرزائیوں کے خلاف تقریر کی تھی۔ اس کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک ہفتے بعد ان کی ضمانت ہوئی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی مولانا محمد عبداللہ صاحب سرگرم عمل رہے اور انہیں کراچی جیل میں ایک ماہ گزارنا پڑا۔ ۱۹۵۵ء میں انہوں نے خانیوال میں تقریر کی اور ختم نبوت کے مسئلے کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں قادیانی مذہب بھی زیر بحث لائے۔ اس جرم میں انہیں جیل بھیج دیا گیا اور ایک ماہ دس دن بعد ضمانت ہوئی۔ مولانا محمد عبداللہ اس دور کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بٹالہ اور امرتسر قریب قریب ہونے کی وجہ سے اکثر فاتح قادیان کی زیارت و ملاقات ہوتی رہتی

اور ان کے بیانات اور مناظرات دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ تقریباً زندگی کا گیارہ سالہ بہترین دور

ان کی رفاقت اور قرب میں بسر کرنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ!“



بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ



برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے دس سالہ دورِ خطابت، توحید و سنت، اصلاح معاشرہ اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کی تبلیغ اور ردِ قادیانیت میں بسر کرنے کا موقع ملا، اس دوران کئی مرزائیوں سے مناظرے بھی ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی حصہ لینے کا موقع ملا، بوریا والا ضلع ملتان (حال ضلع وہاڑی) ختم نبوت کے پروانوں کا جو پہلا قافلہ کراچی روانہ ہوا، اس میں بحیثیت قائد قافلہ جانے کا موقع ملا۔ کراچی جیل میں ایک ماہ تک قیام پذیر ہو کر اللہ تعالیٰ نے سنت انبیاء کی اتباع کا موقع فراہم کیا۔ کیونکہ دین کی خاطر جیل میں جانا بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

پھر اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں خانیوال ضلع ملتان (اب خانیوال خود ایک ضلع ہے) ایک تقریر کی وجہ سے ملتان جیل میں جانا پڑا، جب مجھے خانیوال کی پولیس گرفتار کر کے اور ہتھکڑی لگا کر ملتان لے کر گئی تو ایک سب انسپکٹر اور دو کانٹبل ساتھ تھے۔ پھر وہ مجھے جیل کے دفتر میں لے گئے۔ یہاں سے انہوں نے مجھے کسی بارک میں بھیجتا تھا میں وہاں کلرک کے پاس کھڑا ہو گیا اور وہ اپنے رجسٹر کھول کر دیکھنے لگا اور اسی دوران اس کے میز پر پڑے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون اٹھایا اور فون پر کسی سے بات کرنے لگا، بات کرتے کرتے کہنے لگا کہ مولوی صاحب! آپ کے لیے فون آیا ہے، فون پکڑیں اور بات سنیں، میں نے جب ٹیلیفون کان سے لگایا تو وہ سپرنٹنڈنٹ جیل کا فون تھا۔ اس نے کہا: مولوی صاحب السلام علیکم۔ میں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا، کہنے لگا میں سپرنٹنڈنٹ جیل بول رہا ہوں۔ میں نے کہا: حکم کریں، کہنے لگا حکم نہیں گذارش ہے کہ ہمارے خطیب صاحب جو جیل میں خطبہ جمعہ دینے آیا کرتے، ان کی آج درخواست آگئی ہے کہ وہ بیمار ہیں اس لیے جمعہ کی خطابت کا انتظام کر لیں۔ اس دن چونکہ جمعہ تھا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھے اپنے دفتر میں بیٹھ ہوئے شیشے کی کھڑکی میں سے دیکھ لیا تھا، اس لیے مجھے ایک عالم دین سمجھ کر ٹیلیفون کیا۔ دفتر میں کلرک کے پاس میں ابھی پہنچا تھا۔ کہنے لگا: مولوی صاحب آج آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرمادیں۔ میں نے ان سے انکار کیا اور کہا کہ جون کا مہینہ گرم ترین مہینہ ہے میں کئی دن حوالات میں رہا ہوں، میرے کپڑے بھی پسینے سے خراب ہیں اور جسم بھی گندا ہے اس لئے میں جمعہ نہیں پڑھا سکتا۔ اس نے کہا: مولوی صاحب! گذارش قبول فرمائیں، میں کپڑے بھی نئے بھیجتا ہوں، اور پانی بھی غسل کرنے کے لئے اور آپ کے لئے ناشتہ وغیرہ بھی بھیجتا ہوں آپ میری گذارش قبول کریں اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں، کلرک مجھے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا کہ صاحب کی بات مان جائیں، میں نے کہا: آپ مجبور کرتے ہیں تو آپ کے

کہنے پر خطبہ جمعہ دے دیتا ہوں۔ میں ابھی وہاں ہی بیٹھا تھا ایک قیدی اپنے سر پر پانی کا ٹین رکھ کر لا رہا تھا اور صابن دھنیا کا تیل بھی ساتھ تھا، اس کے بعد ایک قیدی کپڑوں کا نیا جوڑا اور اس کے ساتھ ۶۷ سکی مکمل کی پگڑی، کرتا، بنیان، ملٹانی لاچہ، جرابیں وغیرہ لے کر آگیا۔ پھر اس کے بعد ایک اور قیدی آگیا اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑی ٹرے تھی جس میں دو پراٹھے، تین انڈے، دہی، مکھن اور چائے تھی۔ کہنے لگا کہ یہ آپ کا ناشتہ ہے۔ میں نے کلرک سے کہا کہ دیکھو جب میں جیل میں داخل ہونے لگا تو آپ کے پولیس والوں نے میری مکمل تلاشی لی اور پان بھی نکال لیا، لیکن وہ میرے سینے سے قرآن نہ نکال سکے، اور یہ سب قرآن کی برکت سے ہے۔

میں نے غسل کیا، نئے کپڑے پہنے، پھر ناشتہ کیا تو جمعہ کی اذان ہو گئی، میری عمر اس وقت تقریباً چالیس سال تھی، جیل کے تمام قیدی اور افسران بڑی تعداد سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آئے۔ میں نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے سنا تھا کہ سورہ یوسف جیل میں پڑھنے کا بڑا امر آتا ہے۔ میں نے خطبہ جمعہ میں ﴿رب السبعن أحب إلی مما يدعونني إلیه﴾ کی تشریح کی، اللہ تعالیٰ نے اس قدر توفیق بخشی کے پونے دو گھنٹے خطبہ جمعہ دیا جو اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ قیدی نعرے مار رہے تھے اور سورہ یوسف کا ترجمہ اور تفسیر سن کر رو رہے تھے، جیل کی فضا نعرہ تکبیر سے گونج رہی تھی۔ اب جیل کے افسران پریشان تھے کہ قیدی کہیں بغاوت نہ کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کر دی، اور یہ سب کچھ قرآن کی برکت ہے۔ جب نماز جمعہ المبارک ادا کی تو میرے پیچھے ملتان کے دو نوجوان رئیس زادے بھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے اور وہ کسی کے قتل کے جرم میں قید تھے اور انہوں نے اپنا کھانا گھر سے منظور کروایا ہوا تھا۔ وہ بڑے احترام سے ملے اور پوچھا مولانا کہاں سے آئے ہیں؟ اور کس سلسلہ میں جیل میں آگئے؟

میں نے کہا کہ میں بورے والا کی مرکزی جامع مسجد الہدیث کا خطیب ہوں اور خانیوال میں ختم نبوت کے موضوع پر ایک تقریر کی اور جس میں کھل کر مرزائیت کی تردید کی ہے۔ وہاں کا تھانیدار مرزائی تھا اور رپورٹر بھی مرزائی۔ انہوں نے رات ہی کو میرے وارنٹ گرفتاری جاری کروا کر مجھے گرفتار کروالیا، اگلے دن انتظامیہ جلسہ نے ضمانت کی درخواست دی، لیکن اس وقت پتہ چلا کہ ملتان کا سیشن جج بھی مرزائی ہے اور اُس نے میری ضمانت کی درخواست مسترد کر دی جس کی وجہ سے پولیس مجھے آج ہی جیل لائی ہے اور یہ میری اور آپ کی ملاقات کا سبب بنا ہے۔ وہ دونوں نوجوان حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے مقتدی تھے۔ وہ کہنے لگے مولوی صاحب آپ کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں۔ ہمارا کھانا گھر سے آتا ہے میں نے انکار کیا، لیکن ان کا اصرار غالب آ



بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ



گیا میں نے ان کی دعوت قبول کر لی، ان میں سے ایک پھر کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ تو پان بھی کھاتے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں پان کھاتا ہوں، لیکن جب پولیس والوں نے تلاشی لیتے وقت میرا پان نکال لیا تو میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ دیکھو یہاں کتنی پابندی ہے، اب پان مت مانگنا، کہنے لگے ان سے مانگیں کیوں؟ ہمارے دونوں بھائیوں کے سولہ پان روزانہ گھر سے آتے ہیں۔ اب آج سے آٹھ پان آپ کے بھی آیا کریں گے۔ میں ایک ماہ اور تین دن ملتان ڈسٹرکٹ جیل میں رہا اور ان نوجوانوں کا صبح کا ناشتہ، دوپہر کو کھانا، بعد نماز عصر چائے، رات کا کھانا آتا اور بہت پُر تکلف کھانا ہوتا۔ جیل میں میرے ساتھ ملاقات کرنے جو بھی آتا میں کہتا کہ ابھی دو چار ماہ میری ضمانت نہ کروانا، کیونکہ یہاں بہت آرام ہے۔ لیکن آخر کار حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے میاں محمود علی صاحب قصوری رحمہ اللہ کو کہہ کر میری لاہور ہائیکورٹ سے ضمانت کروادی۔ اسی طرح پوری زندگی اسی انداز سے گزری ہے، یہ ایک مختصر سا تعارف ہے۔“

یاد رہے کہ تحریک ختم نبوت کی اب پندرہ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ الحمد للہ کسی دور میں نصرت ٹرانسپورٹ کمپنی کی بسیں لاہور سے فیصل آباد چلتی تھیں۔ فیصل آباد میں اس کمپنی کا بس اڈا کارخانہ بازار کے باہر ہوا کرتا تھا اور یہ بس کمپنی مرزائیوں کی تھی۔ ایک بار مولانا محمد عبداللہ صاحب لاہور سے نصرت ٹرانسپورٹ کی بس کے ذریعے لائل پور آئے۔ رات کو انہوں نے دورانِ تقریر تذکرہ کیا کہ میں لاہور سے نصرت بس پر بیٹھ کر ساڑھے تین گھنٹہ میں لائل پور پہنچا ہوں۔ قادیانیوں نے اس بات پر ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ مولانا عبداللہ صاحب پیشی پر عدالت میں حاضر ہوئے اور اپنا بیان دیا۔ عدالتی کارروائی کے بعد انہوں نے کہا کہ آئندہ پیشی پر میں یہ بھی بتاؤں گا کہ نصرت بس کمپنی پر بیٹھ کر مجھے کتنا لطف آیا اور سفر کتنا آرام دہ رہا، ان کی یہ بات بھی مرزائیوں کو چھ گئی۔ اب ان کو کسی نے مشورہ دیا کہ اس مولوی سے جان چھڑالو، ورنہ یہ آئندہ تمہیں عدالت میں بڑا سوا کرے گا۔ لہذا مرزائیوں نے اپنا مقدمہ واپس لے لیا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور کردار ادا کیا اور بورے والا کی مذہبی قیادت میں ان کا کام اور نام نمایاں تھا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں بھی مولانا محمد عبداللہ صاحب

کی خدمات قابل قدر ہیں۔ جس طرح ان کی عمر طویل تھی اسی طرح ان کی خدمات کا دائرہ بھی وسعت پذیر تھا۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب بڑے وضع دار اور پروقار عالم دین تھے۔ ہمیشہ اپنی عزت و وقار کا خیال رکھتے۔ ایک بار انہوں نے قصور کی جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ رات کو ان کا قیام بھی قصور میں ہی تھا۔ مشہور مغنیہ ملکہ ترنم نور جہاں کا تعلق بھی قصور سے ہے اور اس کا آبائی گھر بھی وہیں ہے۔ ان دنوں نور جہاں قصور میں تھی، اس کو مولانا محمد عبداللہ صاحب کی قصور آمد کا پتہ چلا تو اس نے اپنا خادم بھیجا کہ باباجی! صبح ناشتہ ان کے ہاں کریں۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب نے انکار کر دیا۔ بعض لوگ کہنے لگے آپ اس کی دعوت قبول کر لیتے اس میں حرج ہی کیا تھا؟ لیکن مولانا محمد عبداللہ صاحب فرمانے لگے میں نہیں جاؤں گا۔ اور مولانا محمد عبداللہ صاحب نور جہاں کے لاکھ اصرار پر ان کے ہاں ناشتہ کرنے نہیں گئے اور ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنے مقام و مرتبے کو بلند رکھا۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب کا امتحان لینے کے لئے بسا اوقات انہیں مختلف طریقوں سے آزمایا گیا۔ مولانا بتایا کرتے: ”ایک بار منڈی بہاؤ الدین سے خط آیا کہ فلاں تاریخ کو آپ تشریف لائیں اور اپنے خطاب سے سامعین کو مستفید فرمائیں۔ خط پڑھ کر میں منڈی بہاؤ الدین گیا، رات کو تقریر کی اور واپس آگیا، انہوں نے واپسی پر پوچھا تک نہیں۔ تھوڑے دن گزرے ان کی طرف سے پھر خط آیا کہ تشریف لائیں اور تقریر کریں۔ مولانا بیان کرتے ہیں کہ خط پڑھ کر میں نے خود سے کہا: ”مولوی! یہ تیری آزمائش ہے۔ کہیں پھسل نہ جانا۔ وہ آزمانا چاہتے ہیں کہ کیا مولوی کراہیہ کے بغیر بھی آسکتے ہیں۔“ چنانچہ میں وقت مقررہ پر منڈی بہاؤ الدین پہنچا اور تقریر کی۔ جن لوگوں نے مجھے بلایا تھا، ان کا صابن کا کارخانہ تھا۔ وہ صبح اپنی گاڑی میں مجھے بتی چوک لاہور چھوڑ گئے اور جاتے ہوئے ایک بیٹی صابن کی اور گیارہ سو روپے میری واسکٹ کی جیب میں ڈال گئے، یہ سستے زمانے کی بات ہے۔“

اس واقعہ سے مولانا محمد عبداللہ صاحب کی تبلیغی مساعی میں خلوص کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لالچ، طمع و حرص سے کوسوں دور رہ کر انہوں نے خدمت دین کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عزت اور علما کی عظمت و وقار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا۔ اصل میں مولانا محمد عبداللہ صاحب نے جن لائق اساتذہ کرام اور عالی قدر بزرگان دین کے زیر سایہ رہ کر تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں، یہ اسی کا اثر ہے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے خاص ارادت مند اور شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔





بلاشبہ مولانا محمد عبداللہ صاحب پرانے دور کی یادگار تھے۔ انہوں نے نیک لوگوں کا ساتھ پایا۔ وہ جس دور میں پلے بڑھے اور جس ماحول میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں، اسے سنہری دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس دور میں مختلف تحریکیں اور جماعتیں میدانِ کارزار میں سرگرم عمل تھیں۔ ہندو سکھ عیسائی اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے مناظرے اور مباہلے بھی کرتے تھے اور دوسری طرف مل کر انگریز سے آزادی کے لئے کام بھی کر رہے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب نے ان حالات کا بغور جائزہ لیا اور پھر ان کا علاقہ بٹالہ بھی قادیانی فتنہ کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان حالات میں مولانا عبداللہ صاحب نے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے اہل حدیث اسٹیج سے کام کرنا شروع کیا۔ قادیانی مذہب کے خلاف انہوں نے تقریر و تحریر سے کام کیا اور دیگر مذہب باطلہ کے خلاف بھی انہوں نے زبان و بیان سے جہاد کیا۔ تقسیم ملک سے پہلے آپ ”آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس“ سے منسلک رہے جس کے ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جب ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو ”مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان“ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس سے منسلک ہو گئے اور تاحیات ”مرکزی جمعیت اہل حدیث“ کے ساتھ ہی رہے۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ ان پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے اور ان اکابرین جماعت کے ساتھ مل کر مولانا محمد عبداللہ صاحب نے جماعت کی تعمیر و ترقی کے لئے دن رات کام کیا۔

مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری دوستوں کے دوست اور یاروں کے یار تھے۔ جن حضرات کے ساتھ ان کا ذرا سا بھی تعلق رہا، انہیں یاد رکھتے۔ اپنے اساتذہ کرام کا ذکر خیر عقیدت سے کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ فیصل آباد تشریف لاتے تو ان کی کوشش ہوتی کہ دوستوں سے ضرور ملاقات کی جائے۔ ان کی خواہش پر کئی بار ہم ان کے استاد زادے حافظ سلیمان مرحوم کو ان کے گھر سمن آباد جا کر ملے۔ اس موقع پر ہمارے مرحوم دوست علی ارشد چودھری اپنی گاڑی سمیت ہمراہ تھے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب بذلہ سنج اور باغ و بہار طبیعت کے انسان تھے۔ وہ اپنی گفتگو اور شربی گفتار سے خوب محظوظ کرتے۔ ایک بار فیصل آباد تشریف لائے اور مجھے ٹیلی فون کیا۔ حال احوال پوچھ کر کہنے لگے: ”ارشد مرشد کہاں ہیں؟“ میں نے عرض کیا: اس وقت تو وہ گھر پر سو رہے ہوں گے، نمازِ ظہر کے بعد ہی شہر آئیں گے۔ پھر پوچھنے لگے: ”حکیم عبدالستار کے بیٹے حافظ حبیب

الرحمن کہاں ہوں گے؟“ میں نے بتایا کہ حافظ صاحب نماز فجر کے بعد سو جاتے ہیں نماز ظہر میں ہی مسجد میں آئیں گے۔ باباجی میرا یہ جواب سن کر برجستہ کہنے لگے: ”یہ سارے اصحاب کہف ہی ہیں جو سوئے ہوئے ہیں۔“ ان کی اس برجستہ گوئی نے بڑا لطف دیا۔

۱۹۵۷ء میں مولانا محمد عبداللہ صاحب نے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بورے والا میں ’مدرسہ محمدیہ‘ کی بنیاد رکھی۔ بطل حدیث حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے اس کا افتتاح فرمایا تھا۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب اس مدرسہ میں عرصہ دراز تک طلبہ اور طالبات کو ترجمۃ القرآن اور ناظرہ قرآن پڑھاتے رہے۔ شعبہ حفظ القرآن کے لئے بھی استاد تھا۔ اس مدرسہ سے حافظ عبدالستار شیخ الحدیث کوٹ ادو (وفات ۱۹ جنوری ۲۰۰۹ء)، قاری محمد رمضان سینئر مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد، پروفیسر عبدالرحمن لدھیانوی اور حافظ محمد لقمان سلفی (وفات ۱۰ جون ۲۰۰۲ء) جیسے نامور علمائے تعلیم حاصل کی۔

اولادِ خانہ

اللہ تعالیٰ نے ان کو چار بیٹوں اور چھ بیٹیوں سے نوازا، بیٹوں کے نام یہ ہیں:

① ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر: دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق اچھا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں جامعہ سلفیہ میں انگریزی کے استاد رہے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور بعض دوسرے سرکاری کالجز میں پروفیسر رہے۔ ۱۹۸۷ء سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔ ”تحریک ختم نبوت، اور تہذیب اہل حدیث“ ان کی شاہکار تصانیف ہیں جو پاک و ہند سے شائع ہو کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے تفصیلی حالات میں نے ان کی ”تحریک ختم نبوت“ کی جلد نمبر ۹ کے شروع میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

② حافظ محمد لقمان غضنفر سلفی: جید عالم دین تھے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۸، ۱۷، ۱۶ سال میاں چنوں کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطیب رہے۔ ۱۰ جون ۲۰۰۲ء کو انہوں نے میاں چنوں میں ہی وفات پائی۔ بڑے خلیق، ملمسار اور خوش طبع عالم دین تھے۔ ان کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے راقم کا مضمون ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کے ۱۴/۱۳ اپریل ۲۰۰۳ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

③ ریاض قدیر: بورے والا میں رہتے اور اپنا کاروبار کرتے ہیں، نیک اور صالح انسان ہیں۔

④ زبیر احمد: مستند عالم دین ہیں، بورے والا کے ایک سرکاری سکول میں پڑھاتے ہیں اور مسجد



میں خطیب بھی ہیں۔

بابائے تبلیغ مولانا عبداللہ صاحب سے متعلق یادوں اور ملاقاتوں کے یہ چند ناقابل فراموش نقوش ہیں جو میں نے قارئین کے روبرو پیش کئے ہیں۔ مجھ سے کہیں زیادہ باباجی سے متعلق واقعات ان لوگوں کے دل و دماغ میں محفوظ ہوں گے جن کو راقم سے زیادہ مولانا کی محفل میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تاہم میرے دل کا تقاضا اور روح کی پکار تھی کہ باباجی سے متعلق یادوں کو کاغذ کے سینے پر ثبت کیا جائے۔

شاعر اہل حدیث جناب علیم ناصری مرحوم نے مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری کے بارے میں ایک نظم ان کی زندگی میں لکھی تھی جو قریباً ایک عشرہ قبل ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوئی تھی، موقع کی مناسبت سے اسے بھی نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ جناب علیم ناصری فرماتے ہیں:

نام ہے لب پر مرے اک مردِ حق آگاہ کا

وہ مرے مسلک، مرے نطق و نوا کا ہم صغیر

ہم خیال و ہم زبان و دل ربا و دل پذیر

ہم نوائے ہمنویان، ہم نشین ہم ماں

دوست دار دوستداراں، خیر خواہ ہم رہاں

نرم خو و گرم جو، شائستہ خو، شائستہ رو

حق پرستوں کا مصاحب، اہل باطل کا عدو

خوش کلام و خوش خرام و خوش بیان و خوش زبان

پاک پوش و پاک نوش و پاک چشم و پاک جان

علم کتہ شاس و فاضل رمز آشنا

اک ادیب علم پرور، اک خطیب خوش نوا

محفلوں میں زعفرانی رنگ بھر دیتا ہے وہ

خشک جانوں کو بھی لالہ زار کر دیتا ہے

غم زدوں کی دور کر دیتا ہے وہ افسردگی

فصل گل بنتی ہے اس کو دیکھ کر پر شردگی

اس کی تقریریں شگفتہ، بزم آرا، دل نشین

چٹکوں میں بھی سبق آموز، معنی آفرین

منبر و محراب میں روحانیت کی آبشار

بزم یاراں میں شگوفوں کی بہار اندر بہار

چھوٹی ہے بورے والا سے جو اس کی پھل پھری

بنتی ہے لاہور کے وہ گل کدوں کی پیکھڑی

آج بھی بانکے میر اسال خور دہ دوستدار

شاہ بالاے میحاکا بھی ہے امیدوار

اس کا فرزند گرامی دانش و بینش مآب

ملک عرفان کا سلیمان صاحب کلک و کتاب

میرے بھائی کی ہو سب اولاد یارب شادمان

ان یہ بر سار حتی اے مالک کون و مکان

دین اور دنیار ہے اس کی متین و تابدار

وہ رہے اپنے عزائم میں ہمیشہ کامگار

مولانا محمد عبداللہ صاحب کی زندگی دعوت و تبلیغ سے عبارت تھی اور انہوں نے اس مشن میں عمر گزار دی۔ ایک عرصے سے وہ شوگر اور دل کے عارضے میں مبتلا تھے، لیکن عوارض سے زیادہ



بڑھاپا ان پر غالب تھا۔ کمزوری، نقاہت اور بڑھاپے کے باوجود وہ تبلیغی پروگراموں میں شوق و عزم سے شریک ہوتے اور اپنی خطابت کی تمام تر رعنائیوں سے سامعین کو محظوظ کرتے۔ ۱۶/ اور ۱۷ مارچ کو ماموں کا جن میں آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت مولانا محمد عبداللہ صاحب نے فرمائی اور سترہ مارچ کی رات انہوں نے اپنا خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو ان کے مخصوص طرز فکر کا آئینہ دار تھا۔ اسی روز دن کے وقت ان کا قیام فیصل آباد میں تھا اور انہوں نے فون کے ذریعے راقم کی خیریت دریافت کی تھی اور اپنی صحت کے بارے بتایا تھا۔ اس کے بعد بھی ان سے گاہے بگاہے رابطہ رہا۔

مئی کے ابتدائی دنوں پر اور محمد سہیل اظہر چودھری نے باباجی کی بیماری کے متعلق بتایا اور کچھ تشویش کا اظہار کیا۔ ان کا علاج جاری تھا کہ ۷ مئی کو دوپہر ایک بج کر چالیس منٹ پر نہایت افسردہ لہجے میں سہیل صاحب نے اپنے پیارے بابا کی موت کی اطلاع دی۔ جسے سن کر نہایت صدمہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہفت روزہ 'الاقتضام' لاہور کے دفتر سے مولانا محمد سلیم چنیوٹی نے بھی یہی خبر سنائی۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب کی شدید خواہش تھی کہ وہ بورے والا میں ہی فوت ہوں اور اسی شہر میں انہیں دفن کیا جائے جہاں وہ ۶۳ سال سے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت و امامت کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کی وفات کی خبر منٹوں میں پورے ملک اور بیرون ملک پہنچ گئی۔ اور لوگ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے بورے والا پہنچنا شروع ہو گئے۔ ۸ مئی کو صبح پونے گیارہ بجے مولانا ارشاد الحق انٹری رحمہ اللہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی اس میں ہزاروں علما اور عوام بلا تفریق مسلک شریک ہوئے۔ اور بورے والا میں ہی تدفین عمل میں آئی۔ بورے والا کی تاریخ میں مولانا محمد عبداللہ صاحب کا جنازہ مثالی تھا۔ ان کی وفات کے سوگ میں انجمن تاجران نے مارکیٹیں اور بازار بند رکھے جبکہ سرکاری و نیم سرکاری دفاتر اور سکول و کالج بھی بند رہے۔ اس علاقے کے ایم پی اے خالد محمود بھٹی نے سیکورٹی اور دیگر انتظامات میں بھرپور تعاون کیا۔ دیگر یہ کہ مقامی جماعت نے بھی آنے والوں کے لئے ٹھنڈے پانی اور کھانے کا خاطر خواہ انتظام کر رکھا تھا۔ بلاشبہ مولانا محمد عبداللہ صاحب اپنے دور کے رفیع المرتبت عالم دین تھے۔ جو اپنے پیچھے بہت سی خوشگوار یادیں چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

